ڈاکٹر رفاقت علی شاہد
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، لاہور گیریژن یونی ورسٹی، لاہور
ڈاکٹر سیّد تنویر حسین
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، لاہور گیریژن یونی ورسٹی، لاہور
ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، لاہور گیریژن یونی ورسٹی، لاہور

احمد حسین قمر کا ’’طلسمِ نارنج‘‘

ABSTRACT

"Tilism e Naranj" of Ahmad Husain Qamar
By Dr Rafaqat Ali Shahid, Assistant Professor, Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore.
Dr Syed Tanveer Hussain, Assistant Professor, Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore.
Dr Muhammad Ijaz Tabassum, Assistant Professor, Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore.

Tilism e Naranj is a rarest Urdu romance (Dastan) belongs to Dastan e Ameer Hamza, one of the popular romance of classic Urdu literature. The authors of Tilism e Naranj is Munshi Ahmed Husain Qamar, who is famous among the writers of Dastan e Ameer Hamza of Newul Kishore Press Lucknow. He wrote several voluminious volumes of Dastan e Ameer Hamza. Besides those volumes he wrote the smallest parts of that particular dastan in the name of Tilism e Naranj which was printed by Munshi Newul Kishore Press Lucknow and published by J Narayan Verma publisher of Lucknow. Tilism e Naranj was published once in 1901, before the death of the writer, actually at the last stage of his life. Detailed introduction of Tilism e Naranj is done in this article and almost every aspect of book and its writer is described. A Dastan critic M Habib Khan claimed that Tilism e Naranj is the part of Dastan e Ameer Hamza of Newul Kishore Press Lucknow but Shamsur Rahman farooqi, renound critic and resarcher of Dastan e Ameer Hamza differ from it and wrote that

Tilism e Naranj is not the part of long Dastan e Ameer Hamza of Newul Kishore Press. The writer also had a same openion with M Habib Khan, wrote before in his article, but now he amends his openion in this article and have a same openion with Shamsur Rahman Farooqui.

Keywords: Dastan e Ameer Hamza, Tilism e Naranj, Urdu romance, Munshi Ahmed Hussain Qamar, Shamsur Rahman Farooqui, M Habib Khan Jay Narayan Verma Publishers Lucknow.

"داستانِ امیر حمزہ" اُردو کا مایۂ ناز بیانیہ ہے۔ اس کی معروف ترین شکل مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ سے شائع ہونے والا چھیالیس (۴۶) جلدی سلسلہ ہے۔ بیالیس (۴۲) ہزار سے زائد صفحات کی ضخامت کی یہ جلدیں ۱۸۸۳ء سے ۱۹۱۷ء تک شائع ہوئیں (۱) اور ۱۹۴۰ء کے بعد تک ان کی مکرّر اشاعتیں منظرِ عام پر آتی رہیں۔ اس عظیم اور ضخیم ترین داستانی سلسلے کی تصنیف و تالیف میں محمد حسین جاؔہ، احمد حسین قمرؔ، شیخ تصدق حسین، سیّد محمد اسمعیل اثرؔ اور پیارے مرزا شامل رہے۔ ان میں سے پیارے مرزا نے محض دو (۲) جلدیں شیخ تصدق حسین کے اشتراک سے لکھیں۔ (۲) سیّد محمد اسمعیل اثرؔ نے ایک کامل جلد تصنیف کی اور تقریباً چار (۴) جلدوں کی ترتیب و تالیف میں معاون و مددگار رہے۔ (۳) محمد حسین جاؔہ نے "طِلسمِ ہوش رُبا" کی پہلی چار جلدیں مکمل کیں۔ کُل ملا کر چھیالیس جلدوں میں سے چھے (۶) جِلدیں کامل اور پانچ (۵) کے قریب جِلدوں میں اعانتِ غیر کے سوا، باقی تمام جلدیں دو اصحاب کے رشحاتِ نُطق و قلم کی یادگار ہیں: منشی احمد حسین قمرؔ اور شیخ تصدّق حسین۔ ان میں سے بھی احمد حسین قمرؔ کا پلڑا شیخ تصدق حسین کے مقابلے میں بھاری رہتا ہے کہ شیخ صاحب کے کھاتے میں جانے والی کم و بیش پانچ (۵) جلدوں کی تکمیل میں سیّد محمد اسمعیل اثرؔ کی اعانت شامل رہی، جب کہ احمد حسین قمر کی تحریر کردہ صرف دو (۲) جلدوں: "طِلسمِ زعفرانِ زار سلیمانی" (جِلد اوّل و دوم) کو شیخ تصدّق حسین نے مکمل کیا۔ (۴)

اس تفصیل کے بعد حساب کیا جائے تو احمد حسین قمرؔ کے کھاتے میں اُنّیس (۱۹) مکمل اور دو مشترک جِلدیں آتی ہیں، جب کہ سولہ (۱۶) کامل اور چھے (۶) مشترک جلدیں شیخ تصدّق حسین کے کھاتے پر چڑھتی ہیں۔ یوں گویا منشی احمد حسین قمرؔ؛ "داستان امیر حمزہ" کی طویل نول کشوری روایت میں نصف کے قریب جلدوں کے مصنّف یا مولّف ہو کر اس طویل سلسلے کی سب سے زیادہ جلدوں کے خالق قرار پاتے ہیں۔ جہاں اس سے ایک طرف داستانِ امیر حمزہ کے معروف مطبوعہ سلسلے میں اُن کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، وہیں اُن کی بسیار نویسی کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

اِنھی احمد حسین قمرؔ نے نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی طویل روایت سے ہٹ کر "داستانِ امیر حمزہ" ہی کے سلسلے میں ایک مختصر طِلسم بھی تحریر کیا تھا جو "طِلسمِ نارنج" کے عنوان سے ۱۹۰۱ء میں قمرؔ کی وفات کے بعد لکھنؤ سے چھپا۔ یہ طِلسم عام کتابی سائز سے کچھ بڑی تقطیع کے محض ۲۰۸ صفحات میں شائع ہوا۔ یہ طِلسم بس ایک ہی بار چھپا اور چھپنے کے بعد گوشۂ گم نامی

میں چلا گیا۔ اس لیے احمد حسین قمر کی معروف کتابوں/ طِلسموں میں ''طِلسمِ نارنج'' کا نام دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اس کی وجوہات میں ایک تو اس طِلسم کا اختصار، دوسرے، اس کا مطبع منشی نول کشور سے باہر چھپنا اور شائع ہونا اور تیسرے، غالباً اس کی محدود تعداد اشاعت تھی جس نے قمر کے اس طِلسم کو پردۂ گم نامی میں رہنے پر مجبور کر دیا۔

پیشِ نظر تحریر میں قمر کے اسی ''طِلسمِ نارنج'' کا تعارفی مطالعہ اور اس سے متعلّق مختلف مباحث کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے گا۔ آسانی کی خاطر اس مقالے کو تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصّے میں ''طِلسمِ نارنج'' کا تعارف کرایا گیا ہے۔ دوسرے حصّے میں ''طِلسمِ نارنج'' سے متعلّق تحقیقی وتنقیدی مباحث کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ آخری حصّے میں ''طِلسمِ نارنج'' کے ''داستانِ امیر حمزہ'' کی طویل نول کشوری روایت سے تعلّق پر بحث کی گئی ہے۔ میں نے بہت پہلے ۲۰۰۴ء میں اپنے ایک مقالے میں ''طِلسمِ نارنج'' کو نول کشوری ''داستانِ امیر حمزہ'' کے طویل سلسلے میں شامل کرنے پر زور دیا تھا اور اس سلسلے میں کچھ دلائل بھی دیے تھے۔ اس کے جواب میں مرحوم شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے مضمون (جو بعد میں اُن کی کتاب ''ساحری، شاہی، صاحب قرانی - داستانِ امیر حمزہ کا مطالعہ''، جلد دوم کا حصّہ بنا) میں یہ دلائل میرے موقف سے اختلاف کیا تھا۔ مزید تحقیق اور غور وفکر کے بعد اب میں جس حتمی نتیجے پر پہنچا ہوں، یہ تیسرا حصّہ اسی کی بحث پر مشتمل ہے۔

حصّۂ اوّل ''طِلسمِ نارنج'' کا تعارف:

۱۲ × ۲۱ س م تقطیع متن پر ''طِلسمِ نارنج'' کُل ۲۰۸ صفحات میں طبع ہوئی۔ سرورق کے ۴ صفحات اس کے علاوہ ہیں جو سُرخ یا گلابی رنگ کے کاغذ پر طبع ہوئے ہیں۔ باقی تمام کتاب بادامی رنگ کے کاغذ پر طبع ہوئی ہے جو مرورِ ایّام سے گندمی اور بعض جگہ خاکستری ہو چکا ہے۔ طباعت کہیں تو واضح اور روشن ہے لیکن کہیں کہیں مدھم پڑ گئی ہے۔ کتابت کا انداز اور روشِ خط بالکل وہی ہے، جیسی قمر کے اُن طِلسموں میں دیکھنے کو ملتی ہے جو مطبع منشی نول کشور سے طبع اور شائع ہوئیں۔ یہ طِلسم بھی مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ سے شائع ہوا لیکن اسے بابو جے نرائن ورما نے لکھنؤ ہی سے شائع کیا۔

کتاب پر کہیں تاریخ اشاعت یا طباعت درج نہیں۔ مطبع منشی نول کشور کی مطبوعات میں خاتمہ الطبع لازمی طور پر ہوتا تھا لیکن یہ کتاب اُس سے بھی خالی ہے۔ ایسا ہونا بھی چاہیے تھا، کیوں کہ اس کی طباعت تو یقیناً مطبع منشی نول کشور سے ہوئی لیکن اس کے ناشر وہ نہیں، بل کہ لکھنؤ ہی کے ایک تاجرِ کتب بابو جے نرائن ورما تھے۔ اس ناشر کی کتابوں کی ایک فہرست بھی سرورق کے اندرونی صفحے پر درج ہے۔ اس کے علاوہ وجہِ تالیفِ ''طِلسمِ نارنج'' میں بھی قمر نے بابو جے نرائن ورما کی فرمائش پر یہ طِلسم لکھنے کی بات کی ہے۔

''طِلسمِ نارنج'' کی تقطیع نول کشوری ''داستانِ امیر حمزہ'' کی عام جلدوں سے نسبتاً چھوٹی ہے لیکن قمر کے جو دیگر طِلسم مطبع منشی نول کشور سے شائع ہوئے، اُن کی تقطیع بڑی ہے۔ ''طِلسمِ نارنج'' میں تیئیس (۲۳) سطری مسطر استعمال ہوا ہے۔ مطبع

منشی نول کشور سے شائع ہونے والے اُن کے دیگر طِلِسموں میں بھی ۲۳ سطری مِسطر ہی استعمال ہوا ہے جن کی تقطیع ''طِلِسمِ نارنج'' سے بڑی ہے۔''طِلِسمِ نارنج'' کے طرزِ کتابت اور مِسطر کو دیکھ کر پہلی بات تو یہی ذہن میں آتی ہے کہ اس کی کتابت بھی اُسی کاتب نے کی ہے جس نے قمرؔ کے دیگر طِلِسموں کی کتابت کی تھی۔ اس تناظر میں یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس کاتب کا تعلّق مطبع منشی نول کشور سے ہوگا۔ دوسری بات دل چسپ ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ مطبع منشی نول کشور سے قمرؔ کے جتنے طِلِسم بھی شائع ہوئے، اُن میں کتابت کا مِسطر ۲۳ سطری ہے۔ عام طور پر مطبع منشی نول کشور سے طبع وشائع ہونے والے ان طِلِسموں میں متن کی تقطیع ۱۴ تا۱۶x۲۴ تا۲۶ س م ہوتی تھی۔ موازنہ کریں تو''طِلِسمِ نارنج'' کی تقطیع اس سے چھوٹی ہے لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ بڑی تقطیع میں بھی قمر ۲۳ سطری مِسطر استعمال کرتے تھے یا کراتے تھے اور چھوٹی تقطیع کے مِسطر میں بھی سطروں کی تعداد تبدیل نہیں ہونے پائی۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ نول کشوری''داستانِ امیر حمزہ'' میں شیخ تصدّق حسین کی جتنی جِلدیں شائع ہوئیں، اُن کی تقطیع بڑی اور مِسطر ۲۳ سطروں سے زیادہ ہے۔ بعض جِلدوں میں یہ مِسطر ۲۷ سطروں کا اور بعض میں ۳۱ سطروں کا ہے۔ گویا شیخ تصدّق حسین کی لکھی ہوئی جلدوں میں موجود مواد قمرؔ کی لکھی ہوئی اُتنی ہی ضخامت کی جِلدوں کے مواد سے نسبتاً زیادہ ہے۔ خیر، یہ تو جملۂ معترضہ تھا اور اس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ شیخ تصدّق حسین کو کسی خاص مِسطر سے کسی قسم کی خصوصی اُنسیّت نہیں تھی لیکن ایسا لگتا ہے کہ قمرؔ کو ۲۳ سطری مِسطر سے ایک طرح کی خاص انسیت تھی، تبھی تو اُن کی ہر کتاب کا مِسطر ۲۳ سطری رہا، چاہے متن کی تقطیع کچھ بھی رہی ہو۔

بہرحال، یہ تو ایک ضمنی لیکن دل چسپ تحقیق تھی۔ بیان کرنا یہی مقصود تھا کہ مطبع منشی نول کشور سے شائع ہونے والے قمرؔ کے دیگر طِلِسموں پر مشتمل کتابوں کی طرح''طِلِسمِ نارنج'' کا مِسطر بھی ۲۳ سطری ہے۔ ہر صفحے پر حاشیے کی جدولوں کا اہتمام ہے۔ گویا چوکھٹے کی شکل میں حوض واضح کر کے اُس کے اندر عبارت لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ حاشیے خالی ہیں۔

کتاب کا سرورق خاصا آرائشی ہے۔ دوہرے چوکھٹے بنائے گئے ہیں۔ اندرونی چوکھٹے میں سب سے اوپر'بعون صناعِ مکین ومکاں وفصلِ خلاّقِ زمین وزماں' ایک لمبے خانے میں درج ہے اور جلی قلم سے کتابت ہوا ہے۔ نیچے نسبتاً چھوٹے لمبے خانے اور خفی قلم سے یہ عبارت لکھی ہے:''اندھیرے گھر کا اُجالا، راتوں کی نیند کھونے والا، نشترِ رگِ دل، سیرگاہِ عاشقاں، کامل گنج، بے رنج، موسوم بہ'' اور اس سے نیچے نسبتاً بڑے خانے میں آرائشی بیل بوٹوں کے درمیان ایک چوکھٹے میں جلی ترین قلم میں''طِلِسمِ نارنج'' تحریر ہے۔ اس کے نیچے مذکورہ بالا چھوٹے خانے کے انداز کے چوکھٹے میں اُسی طرح کے خفی ترین قلم سے یہ عبارت درج ہے:''تصنیف جناب منشی احمد حسین صاحب قمرؔ، مصنف''طِلِسمِ ہوش ربا'' و''نورافشاں'' و''طِلِسمِ نوخیز جمشیدی'' و''طِلِسمِ خیال سکندری''، وغیرہ وغیرہ''۔ سب سے نیچے مذکورہ بالا چوکھٹے کی طرح کا ایک اَور بڑا چوکھٹا ہے جس میں اُسی طرز کے جلی قلم سے''مطبع نامی منشی نول کشور واقع لکھنؤ میں مزیّن بہ طبع ہوا'' تحریر ہے۔

اس اندرونی چوکھٹے پر ایک بڑا چوکھٹا آرائشی حاشیے سے بنایا گیا ہے۔ دونوں چوکھٹوں کے درمیان چاروں طرف اندازاً ایک انچ کی جگہ بنتی ہے جس میں آرائشی بیل بوٹے بنا کر سرورق کو سجانے کی سعی کی گئی ہے۔ اندرونی سرورق سادہ ہے۔ اس پر ''دفتر رسالہ 'ناول'، امین آباد، لکھنؤ میں فروخت کے لیے موجود ہیں'' کا عنوان قائم کر کے مطبوعہ ناولوں کا توضیحی اشتہار شائع ہوا ہے۔ کتاب کے عقبی ورق پر بھی کتابوں کے اشتہار کا وہی سلسلہ جاری ہے جو اندرونی سرِ ورق سے شروع ہوا تھا۔ (۵)

کتاب کے پہلے صفحے پر بھی سرورق کی عبارت درج ہے، صرف اتنی تبدیلی کے ساتھ کہ کتاب کے نام کے نیچے کی خفی ترین عبارت میں ''طلسمِ ہوش ربا'' و ''نور افشاں'' کے بعد کی عبارت ذیل کی عبارت سے بدل دی گئی ہے: ''... وغیرہ وغیرہ، حسب فرمائش جناب بابو بجے نرائن صاحب ورما''، جب کہ پرنٹ لائن اور چوکھٹے کے بعد آخر میں ''طبع اول ۲۰۰۰ جلد --- حق تصنیف محفوظ ہے --- قیمت فی جلد ۱۲ --'' کی عبارتیں ایک سطر میں خفی قلم میں لکھی گئی ہیں۔

صفحہ ۲ سے متنِ کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ شروع میں حمد یہ نثر اور مثنوی ہے۔ صفحہ ۳ سے ''نعتِ جناب رسولِ خدا، اشرفِ انبیا، حبیبِ کبریا'' درج ہوئی ہے جو اگلے صفحے پر ختم ہوتی ہے۔ اس میں بھی پہلے نثر اور بعد میں ۱۲ شعروں کی مثنوی ہے۔ صفحہ ۵، ۴ پر ''منقبتِ جنابِ حیدر کرّار، کرّارِ غیر فرار، معینِ جنابِ اشرفِ انبیا، اعنی جنابِ علی مرتضیٰ'' ہے۔ اس میں نثر کم اور نظم (مثنوی) کے اشعار زیادہ ہیں۔ اسی صفحہ ۵ پر محض تین سطروں میں ''وجہ تالیفِ ''طلسمِ نارنج'' درج ہے۔ اس کے بعد آخری سطروں سے داستان کا آغاز ہوتا ہے۔ صفحہ ۲۰۷ پر داستان ختم ہوتی ہے جس کے بعد منشی اشتیاق حسین سہیلؔ فرزندِ قمرؔ کی تقریظ شروع ہوتی ہے۔ صفحہ ۲۰۸ پر تقریظ ختم ہوتی ہے اور بقیہ صفحے پر اشتیاق حسین سہیلؔ اور بندا پرشاد گُہر شاگردِ قمرؔ کے دو قطعاتِ تاریخِ طبع درج ہیں۔ اسی پر کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔

حصّۂ دوم: ''طلسمِ نارنج'' اور نول کشوری ''داستانِ امیر حمزہ''

ایم حبیب خاں اور شمس الرحمٰن فاروقی نے واضح کیا ہے کہ ''طلسمِ نارنج'' کا تعلّق ''نوشیرواں نامہ'' سے ہے۔ ایم حبیب خاں اسے ''نوشیرواں نامہ'' کی ایک کڑی قرار دیتے ہیں۔ (۶) ایک اَور جگہ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''طلسمِ ہفت پیکر''، جلد اوّل کے صفحہ ۴۱۲ سے ۵۵۸ تک خسرو شیر دل کے عروج کا جو قصہ ہے، وہ بالکل ''طلسمِ نارنج'' میں عمرو بن حمزہ کی داستان کی نقل ہے۔ (۷) شمس الرحمٰن فاروقی نے تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ ''نوشیرواں نامہ''، جلد اوّل (طبعِ اوّل، ۱۸۹۳ء) کے صفحات ۵۸۷ تا ۶۳۵ میں ''طلسمِ نارنج'' اور اس کی فتاحی کی تفصیلات ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ ''طلسمِ ہوش رُبا''، جلد چہارم (لکھنؤ، ۱۸۹۰ء کی اشاعت) کے صفحہ ۱۲۰ اور ''نوشیرواں نامہ''، جلد اوّل میں صفحہ ۹۴۴ پر بھی ''طلسمِ نارنج'' کے حوالے موجود ہیں ہے۔ (۸) گویا انہی تفصیلات اور مواد سے اخذ کر کے احمد حسین قمرؔ نے ''طلسمِ نارنج'' لکھ ڈالا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے ایم

حبیب خاں نے لکھا ہے کہ اس طِلسم میں کوئی نئی بات نہیں ہے اور اس کا ماحول فرسودہ ہے۔

> "طِلسمِ نارنج" کو محققوں اور نقّادوں نے کم ہی درخورِ اعتنا جانا ہے۔ سہیل بخاری (۹)، وقار عظیم (۱۰)، آرزو چودھری (۱۱)، وغیرہ نے اس طِلسم کا ذکر نہیں کیا۔ لے دے کے صرف گیان چند نے اس کا ذکر کیا ہے اور وہ بھی سرسری۔ وہ احمد حسین قمر کی داستانوں کا ذکر کرتے ہوئے "طِلسمِ نارنج" کا ذکر یوں کرتے ہیں: "سنہ ۱۹۰۱ء م سنہ ۱۳۱۹ھ میں اُنھوں نے "طِلسمِ نارنج" بھی تصنیف کیا۔ یہ "نوشیرواں نا مے[کذا] کے ایک جزو سے مشترک ہے۔" (۱۲)

گیان چند کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو "طِلسمِ نارنج" اُن کی نظر سے نہیں گزری، اس لیے اُنھوں نے اس کا محض سرسری ذکر کیا ہے یا پھر قمر کے دوسرے ضخیم طِلسموں کے ساتھ ساتھ اس طِلسم کا بھی اُنھوں نے تفصیل سے جائزہ نہیں لیا۔ گیان چند کا سارا زور "داستانِ امیر حمزہ" کی اصل اور روایت کی تحقیق پر رہا ہے۔ رام پور اور لکھنؤ میں "داستان امیر حمزہ" کی تحریری روایت کا ذکر اُنھوں نے سرسری طور پر کیا ہے۔

"طِلسمِ نارنج" کا تفصیلی ذکر سب سے پہلے ایم حبیب خاں نے کیا۔ "طِلسمِ نارنج" کے عنوان سے اُن کا تفصیلی مضمون اُن کی کتاب "اُردو کی قدیم داستانیں" کا پہلا مضمون ہے۔ یہ مضمون ویسے تو زیادہ تر تعارفی بیانات پر مشتمل ہے لیکن اس میں ایم حبیب خاں نے کچھ بیانات اور تجزیات کے ذریعے "طِلسمِ نارنج" کی اَدبی قدر و قیمت متعیّن کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اس کے ساتھ اُنھوں نے "داستانِ امیر حمزہ" میں اس طِلسم کے کردار اور اس طِلسم کے حوالے سے قمر کے فنی و اَدبی مرتبے پر بھی بات کی ہے۔ ایم حبیب خاں اپنے مطالعے اور تجزیے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں:

> " اختصار کے علاوہ داستان میں کوئی اور امتیازی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ ایک فرسودہ اور پائمال سطح ہے جس کو آراستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ "طِلسمِ نارنج" اَور داستانوں کی ایک نقل بن کر رہ گئی ہے۔" (۱۳)

اس کے باوجود انھوں نے "طِلسمِ نارنج" میں بعض جگہ منظر کشی اور بعض جگہ قمر کے زورِ بیان کی تعریف بھی کی ہے اور ان کی مثال میں "طِلسمِ نارنج" سے چند اقتباسات بھی پیش کیے ہیں۔ مجموعی طور پر وہ "طِلسمِ نارنج" کو کام یاب داستان نہیں سمجھتے۔

"طِلسمِ نارنج" پر ایم حبیب خاں کا پورا مضمون پڑھنے سے فوری طور پر جو تاثّر اُبھرتا ہے، اُسے اس داستان کے بارے میں ایک عام قاری کے خیالات کہا جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ ایم حبیب خاں کے بیانات سراسر تاثّراتی ہیں۔ اُنھوں نے "طِلسمِ نارنج" کو تنقید یا تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش نہیں کی، اس لیے "طِلسمِ نارنج" کے بارے میں خود اُن کے بیانات

کوتنقید یا تحقیق کے چوکھٹے میں کس کر دیکھنا مناسب نہیں۔ انھیں زیادہ سے زیادہ اُن کے ذاتی خیالات کا نام دیا جاسکتا ہے۔

"طِلسمِ نارنج" کے بارے میں ایم حبیب خاں کے بیانات کے اہم نکات ملاحظہ فرمایئے:

(ا) "یہ کتاب قمر نے "طِلسمِ نوخیز جمشیدی" سے پہلے لکھی تھی اوران کی زندگی ہی میں ۱۹۰۱ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔" (۱۴)

(ب) "اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی مختصر ضخامت میں مضمر ہے۔ جو نقائص اور محاسن قمر کے طِلسم کی سب سے بڑی خوبی ہے، کیوں کہ قمر کی طویل داستانوں میں موجود ہیں، وہی اس میں بھی ہیں لیکن اس کا اختصار مصنّف کے زورِ قلم کی سب سے بڑی خوبی ہے، کیوں کہ قمر کی لکھی ہوئی اور بھی جلدیں ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں، "طِلسمِ نارنج" دوسو آٹھ صفحوں کی مختصر سی داستان ہے اور" داستانِ امیرحمزہ" کے پہلے دفتر" نوشیرواں نامہ" کی دراصل ایک کڑی ہے۔ اس اختصار کے علاوہ داستان میں کوئی اور امتیازی خصوصیّت نہیں پائی جاتی۔" (۱۵)

(ج) "ایک فرسودہ اور پائمال سطح ہے جس کو آراستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک اچھی داستان کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا ماحول تھوڑا بہت بدل جائے، تا کہ زیادہ یکسانیت پیدا نہ ہو۔ رزم بزم، سحر و جادو اور منظرِ طِلسمات کا رنگ نیا ہو، مگر قمر نے "طِلسمِ نارنج" میں اس اہم حقیقت کو ایک سرے سے نظر انداز کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ "طِلسمِ نارنج" اور داستانوں کی ایک نقل بن کر رہ گئی ہے۔" (۱۶)

(د) "طِلسمِ نارنج" میں پلاٹ کو بُری طرح اُلجھا دیا گیا ہے۔ کردار نگاری بہت دھندلی اور غیر واضح ہے۔ ایک مقابلۃً مختصر سی داستان میں زرہ [کذا- ذرّہ] بھر بھی اضافہ نہیں ہو پاتا۔ ساحروں کے سحر بہت عام اور لچر ہیں ... داستان کے ہیرو عمرو بن حمزہ ہی ہیں اور یہی کردار ہے جو کچھ اُبھر سکا ہے۔" (۱۷)

(ہ) "شکار کا منظر نہایت دل چسپ ہے۔ شاہ زادے کی بے تابی قابلِ توجّہ ہے۔" (۱۸)

(و) "مرکبِ دریائی پانی کا جانور ہے۔ خشکی کی فضا اس کے لیے سازگار نہیں ہوسکتی۔ "الف لیلہ ولیلہ" میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ غالباً قمر نے یہ خیال وہیں سے لیا ہوگا۔ ۔۔ اس داستان میں "الف لیلہ و لیلہ" کا اثر زیادہ معلوم ہوتا ہے۔" (۱۹)

(ز) "طِلسمِ نارنج" میں داستان گو [کذا] جغرافیہ کی پروانہیں کرتا۔ یونان اور خوارزم دونوں، جو ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور ہیں، اتنے قریب آجاتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے شہ زادے ایک ہی جنگل میں شکار کھیلتے نظر آتے ہیں۔" (۲۰)

(ح) "خواجہ عمرو نے غار سے نکلنے کے بعد جو منظر دیکھا، اس کو کس خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ اس کا ایک ایک حرف سُننے کے قابل ہے۔" (۲۱)

(ط) '' داستان میں میلے کا منظر اچھا پیش کیا گیا ہے۔ داستان کو مختصر رکھنے کی غرض سے منظر بھی مختصر ہے اور اسی اختصار کی وجہ سے منظر نہایت دل چسپ اور موثّر ہے۔ زبان بھی سلیس اور آسان ہے۔۔۔غرض میلے کا منظر مختصر سی کتاب میں بے حد دل چسپ ہے۔'' (۲۲)

(ی) '' یہ منظر بھی نہایت دل چسپ ہے۔ ناچ رنگ کی محفل میں شاہ زادہ ایسا مشغول ہو جاتا ہے کہ۔۔۔'' (۲۳)

(ک) '' تخیل کی بلند پروازی کا ایک عمدہ نمونہ ملاحظہ ہو۔'' (۲۴)

(ل) '' اس داستان میں قمر بعض جگہ پرانی روش سے ہٹ گئے ہیں۔ شاہ زادہ عمرو بن حمزہ بے ایمانی سے آدمیوں کی مدد لے کر ایک ساحر کو قتل کرتا ہے۔ عموماً شاہ زادے اتنی ہوشیاری کا ثبوت نہیں دیتے، بل کہ اس قدر خود سر اور ضدّی ہوتے ہیں کہ کسی حالت میں بھی کسی دوسرے کی مدد کو گوارا نہیں کرتے۔ یہاں شاہ زادے نے دس دس کی مدد سے ساحر کو کتنا تڑپا تڑپا کر قتل کیا ہے۔ ایک ساحر کے قتل کے لیے شاہ زادے کو تیس آدمیوں کی مدد لینا پڑی۔ یہ شاہ زادے کی عیاری کا بہترین ثبوت ہے۔'' (۲۵)

(م) '' جس زمانے میں یہ داستان وجود میں آئی، وہ ایک جنگ جُو قوم کے ادبار کا زمانہ تھا۔ امرا اور عوام، دونوں شمشیر زنی کو بھول چکے تھے اور دادِ عشرت دینے میں مشغول تھے۔ کبھی جنگ کا موقع پڑ جاتا تو اپنے آپ کو کشت [و] خون سے علیحدہ رکھنے یا بزدلی کا مظاہرہ کرنے سے نہ چوکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان داستانوں میں لڑائیوں اور جنگوں میں وہ صداقتِ بیان نہیں پائی جاتی جو بزدلوں کا نقشہ کھینچنے میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ خیال آرائی میں وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو کسی سچی چیز کو دُہرانے میں مل سکتی ہے۔ داستان گو کو چوں کہ اس قسم کے واقعات سے سابقہ پڑتا رہا ہے، اس لیے وہ حقیقت کو زیادہ خوبی سے بیان کر سکا ہے۔'' (۲۶)

(ن) '' داستانوں کو یہ الزام دینا کہ ان میں قصّے یونان و مصر کے ہوتے ہیں، بے کار ہے۔ قصّے کسی جگہ کے بھی ہوتے ہوں لیکن ان میں رنگ ہندی ہی رہتا ہے۔ نام بدل گئے تو کیا۔'' (۲۷)

ایم حبیب خاں کے پورے مضمون میں تنقید یا تحقیق کے نام پر کُل بیانات یہی ہیں۔ ان بیانات کو غور سے پڑھا جائے تو اُن کا کوئی واضح نُقطۂ نظر سامنے نہیں آتا۔ کسی بیان سے تو لگتا ہے کہ ایم حبیب خاں صاحب داستان گوئی اور داستان نگاری کی شعریات اور رموز سے خوب آگاہی رکھتے ہیں لیکن دوسرے ہی بیان سے صاف پتا چلتا ہے کہ وہ بھی دیگر نقادوں کی طرح داستانوں اور خصوصاً ''طِلسمِ نارنج'' کو داستان کی مخصوص شعریات میں دیکھنے اور پرکھنے سے قاصر ہیں۔ مثال کے طور پر اُن کے بیانات (ج)، (ہ)، (و)، (ز)، (ح)، (ط)، (ی)، (ک)، (ل)، (م)، (ن) کو دیکھیں تو داستان میں یک سانیت، بیانیہ، منظر کشی، تخیل کی رنگارنگی، مناسب حد تک اصلیّت، تاریخ سے سروکار اور ضروری حد تک اس سے پہلو تہی اور دیگر قصّوں اور داستانوں سے اثر پذیری جیسی خصوصیات سے وہ آگاہ نظر آتے ہیں اور بجا طور پر ان کا خصوصی ذکر کرتے ہیں، لیکن

دوسری طرف اُن کے بیانات (ب)، (ج)، (د) اور (ط) کو ملاحظہ کریں تو وہ اسرار و رموزِ داستان نگاری سے نا آشنا لگتے ہیں۔ اختصار کو وہ بڑے شدّ و مد کے ساتھ "طِلسمِ نارنج" کی خوبی ثابت کرتے نظر آتے ہیں، جب کہ اختصار تو داستان کے مزاج ہی کے خلاف ہے۔

جہاں وہ "طِلسمِ نارنج" کے اختصار کے گن گاتے ہیں، وہاں اُن کے ذہن میں داستانیں نہیں ہوتیں، بل کہ "باغ و بہار" اور "فسانہ عجائب" کی طرح کے قصّے پیشِ نظر ہوتے ہیں، لہٰذا بادی النظر میں وہ داستانوں کی طوالت کو مطعون کرتے نظر آتے ہیں۔ پھر وہ "طِلسمِ نارنج" کے واقعات، مناظر، مقامات، وغیرہ کو "فرسودہ اور پائمال سطح" بتاتے ہیں اور اس کی آراستگی کو بھی نشانۂ تنقید بناتے ہیں۔۔۔لیکن اگلے ہی جملے میں اس کی توجیہ بھی بیان کرتے ہیں، کہ داستان کی فضا اور ماحول تھوڑا بہت بدل جائے تو یک سانیت پیدا نہیں ہوتی۔ سمجھ سے بالا ہے کہ وہ ان دو جملوں کے ذریعے کیا واضح کرنا چاہتے ہیں۔ موجود فضا اور ماحول کو آراستہ کرنے کو وہ بدلنا نہیں سمجھتے۔ معلوم نہیں "بدلنا" سے اُن کی کیا مراد ہے اور وہ داستان کی مخصوص فضا اور ماحول میں کس قسم کی تبدیلی کے خواہاں ہیں کہ جس سے "یکسانیت" پیدا نہ ہو۔

یہ ظاہر ہے کہ داستان کی شعریات کے مطابق داستان کی فضا، ماحول، افراد، ہیرو، ولن، مددگار؛ سب متعیّن ہیں۔ داستان گو یا داستان نگار منظر کشی، مناظر، بیان، زورِ بیان، ہیئت کذائی، رزم و بزم و طلسم و عیاری میں کسی قدر نیا پن پیدا کر کے اپنی داستان تخلیق کرتا ہے۔ ایم حبیب خاں کے ذہن میں قصے، تمثیل، حکایت، وغیرہ کے چوکھٹے ہیں جن میں وہ داستانوں اور "طِلسمِ نارنج" کو چُست کرنے کے لیے کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔

داستانوں میں پلاٹ کا قصہ بھی عجیب ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیگر عام نقادوں کی طرح وہ بھی غیر شعوری یا شعوری طور پر "طِلسمِ نارنج" سے (اور اس کی نیابت میں داستانوں سے) ناول کی طرح کے کسی منضبط پلاٹ کی توقّع رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ توقّع ہی فضول ہے اور داستان کی شعریات کے خلاف بھی۔ کردار نگاری کا بھی یہی حال ہے۔ یہ اظہر مِن الشّمس ہے کہ داستانوں میں ہیرو کا کردار سب سے نمایاں ہوتا ہے۔ اُس سے زیادہ نمایاں اور متحرک کردار کسی کا نہیں ہو سکتا اور داستانوں کا ہیرو ایک سپر مین سے بھی زیادہ خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ ایسی خصوصیات جو دنیا و مافیہا میں کسی کو حاصل نہیں۔ داستانوں کے ایسے کردار سے کسی متحرک کردار کی طرح کے جان دار اعمال کی توقّع نہیں کی جا سکتی۔ داستان کی شعریات میں ہیرو کے بعد عیّار، پھر ولن کے کردار مرکزی، بنیادی اور جان دار ہوتے ہیں اور ان سے بھی حقیقی زندگی کی خصوصیات کا حامل ہونے کی توقّع کرنی عبث ہے۔ داستانوں کی فضاء ماحول، کردار، مکالموں، مقامات، مناظر، وغیرہ کو داستان کی مخصوص شعریات کے مطابق ہی پرکھنا چاہیے، کسی اَور صنفِ اَدب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر داستانوں کا مطالعہ کرنا غیر مناسب تنقیدی و تحقیقی رویّہ ہے۔

ایم حبیب خاں نے "طِلسمِ نارنج" کے اختصار کو اس کی خوبی بیان کیا ہے لیکن وہ یہ بھول گئے کہ "طِلسمِ نارنج" کو

مختصر رکھنا قمر کی مجبوری تھی۔ اُنھوں نے غیر شعوری طور پر ایسا نہیں کیا۔ یہ طِلسمِ، بابو جے نرائن ورما کی فرمائش پر لکھا گیا اور اُنھوں ہی نے اسے طبع و شائع بھی کیا، نہ اُنھوں نے اسے مطبع منشی نول کشور کے لیے لکھا اور نہ یہ وہاں سے شائع ہوا۔ "طِلسمِ نارنج" کے علاوہ قمر نے جتنے بھی طِلسم لکھے، وہ ضخیم اس لیے ہیں کہ اُن کی اشاعت کے لیے مطبع منشی نول کشور آمادہ تھا جن کے پاس سرمائے کی کوئی کمی نہ تھی۔ نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی ۴۶ مطبوعہ جلدوں میں سے ہر ایک سات سو سے تیرہ سو صفحات تک کی ضخامت رکھتی ہے (صرف "صندلی نامہ" کی ضخامت پانچ سو صفحات سے کم ہے)، لہٰذا ضخیم جلدیں شائع کرنا مطبع منشی نول کشور کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا، لیکن "طِلسمِ نارنج" مطبع منشی نول کشور کی فرمائش پر تیار نہیں ہوئی، بل کہ اس کے فرمائشی اور ناشر بابو جے نرائن ورما تھے جن کی مالی حالت غالباً ایسی نہیں تھی کہ وہ قمر سے خطیر معاوضے پر کوئی طویل داستان لکھوا سکتے اور پھر اسے شائع بھی کر سکتے۔

یہ حقیقت ایک اَور طرح بھی ثابت ہوتی ہے۔ قمر کے فرزند اشتیاق حسین سہیل کی تقریظ (جو کتاب کے آخر میں شامل ہے) میں لکھا ہے: "اب "طِلسمِ نوخیز جمشیدی" تین جلدوں پر موقوف ہوا ہے، اُس کو تحریر فرما رہے ہیں۔" (۲۸) گویا قمر جب "طِلسمِ نارنج" مکمل کر چکے تو اُسی دوران یا اُس کے بعد "طِلسمِ نوخیز جمشیدی" کی تصنیف میں مشغول ہو گئے جو تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور جسے مطبع منشی نول کشور نے طبع اور شائع کیا۔ اگر "طِلسمِ نارنج" بھی مطبع منشی نول کشور کی فرمائش پر لکھی جاتی تو دیگر طِلسموں کی طرح اس کی اشاعت کے بعد ہی قمر سے مزید کسی اَور طِلسم کے لکھنے کی فرمائش ہوتی۔ واضح ہے کہ "طِلسمِ خیال سکندری" کی تکمیل کے بعد (جسے مطبع منشی نول کشور نے طبع اور شائع کیا) قمر مطبع منشی نول کشور کے لیے "طِلسمِ نوخیز جمشیدی" لکھ رہے تھے یا لکھنے والے تھے کہ جے نرائن ورما اُن سے معاوضے پر کوئی داستان لکھانے پر راضی ہوئے اور اُن کی فرمائش پر قمر نے "طِلسمِ نارنج" لکھ دی۔ اس کی ضخامت بھی ممکن طور پر طے شدہ ہوگی، تا کہ جے نرائن ورما کم معاوضے میں قمر سے کوئی داستان لکھوا سکیں اور پھر اُنھیں اسے شائع کرنے میں بھی کوئی مشکل نہ ہو۔ اس اَمر کا تعلّق کسی نہ کسی حد تک کتاب کی فروخت سے بھی ہو سکتا ہے۔

اپنے بیان میں ایم حبیب خاں نے یہ لکھا ہے کہ قمر نے "طِلسمِ نارنج"، "طِلسمِ نوخیز جمشیدی" سے پہلے لکھی۔ قمر کے فرزند سہیل کے بیان سے اس کا قرینہ نکلتا تو ضرور ہے لیکن یہ حتمی طور پر طے کرنا ممکن نہیں کہ قمر نے "طِلسمِ نارنج" کی تکمیل "طِلسمِ نوخیز جمشیدی" سے قبل کر لی تھی یا پھر اس کی تسوید کے دوران ہی اسے مکمل کیا۔ ہو سکتا ہے کہ "طِلسمِ نوخیز جمشیدی" کی تسوید کے دوران ہی قمر نے "طِلسمِ نارنج" مکمل کی ہو، صرف اس خیال سے کہ آمدنی کا موقع ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ "طِلسمِ نارنج" کی کم ضخامت اور پھر "طِلسمِ نارنج" میں "نوشیرواں نامہ" کے ایک حصّے کو قدرے تفصیل سے بیان کرنے کے اوامر سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ۲۰۸ صفحے کی داستان لکھنے یا لکھانے میں قمر کو زیادہ دن نہ لگے ہوں گے۔ اس لیے اس اَمر کا پورا امکان موجود ہے کہ انھوں نے "طِلسمِ نارنج" کو "طِلسمِ نوخیز جمشیدی" کی تسوید کے دوران لکھا ہو۔

بیان (ل) میں ایم حبیب خاں نقاد سے زیادہ ایک مصلح نظر آتے ہیں۔شاہ زادہ عمرو بن حمزہ کی جنگی چالوں اور حکمت عملیوں کو بے ایمانی اور عیّاری گردانتے ہیں۔اخلاقیات اور مثبت رویوں کا پرچار تقریباً ہر داستان میں کیا جاتا ہے لیکن جنگ کے دوران کوئی اخلاق یا مثبت ومنفی رویے ہوتے ہیں؟ یہ بحث طلب مسئلہ ہے۔ہیرو کی یہ بے ایمانی وعیاری تو اُس کے متحرک کردار کا ایک رُخ بھی کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اگلے بیان میں جنگ کے حقیقی مناظر یا لڑائیوں اور جنگوں میں صداقتِ بیانی کا نہ پایا جانا اور بزدلوں کا نقشہ کھینچنے میں کامیابی کا معاملہ بھی سمجھ سے بالا تر ہے۔ یہ کہنا بعید از فہم ہے کہ جس زمانے میں قمر نے ''طِلسمِ نارنج'' لکھی، وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ادبار کا دور تھا؛ امیر اور بادشاہ جنگوں اور معرکوں سے گھبراتے تھے، لہٰذا جنگوں اور رزم کا حال قمر کا چشم دید نہیں، اس لیے اس میں صداقت بیانی نہیں اور چوں کہ بزدلی کے وہ شاہد ہیں، اس لیے اس کے بیانات مبنی بر حقیقت ہیں۔اُردو کے قصّہ گو و قصّہ نویس اور داستان گو و داستان نویس کم ہی کسی جنگ یا رزم کا حصّہ رہے ہوں گے لیکن ہر قصّہ و داستان گو اور قصہ و داستان نویس کے ہاں رزم کے بیانات مل جائیں گے۔''طِلسمِ ہوش ربا'' میں رزم کی تفصیلات جس قدر کام یاب اور دل کش ہیں، وہ ظاہر و باہر ہے لیکن کیا محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر کبھی کسی جنگ میں عملی طور پر شریک رہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔اسی طرح شیخ تصدق حسین کی داستانوں میں بھی رزم کے بڑے شان دار مرقعے موجود ہیں اور اُن کی بھی کسی جنگ میں عملی شرکت کا کوئی ثبوت نہیں۔ایم حبیب خان فنی تخلیق کا یہ نکتہ بھول گئے کہ قلم کار اپنے علم، مشاہدے اور تخیل کی مدد سے قصے اور داستان کی فضا اور دیگر متعلّقہ تفصیلات بیان کرتا ہے۔عملی مشاہدہ ہونا اس امر کے لیے قطعی ضروری نہیں۔

ایم حبیب خاں کے مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ اُنھیں اُردو داستانوں کی اہمیّت اور مقام کا احساس تو ہے لیکن وہ داستان شناسی کے مردِ میدان نہیں۔''طِلسمِ نارنج'' کی تحقیق اور تنقید کے سلسلے میں اُن کے بیانات غیر تسلّی بخش اور بہ حیثیتِ مجموعی عمومی رویّوں کی عکّاسی کرتے ہیں جو داستان کی تنقید میں بار نہیں پا سکتے۔

شمس الرحمٰن فاروقی دوسرے نقاّد ہیں جنھوں نے ''طِلسمِ نارنج'' پر قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔اُن کی مایۂ ناز کتاب ''ساحری، شاہی، صاحب قرانی: داستان امیر حمزہ کا مطالعہ'' میں اگرچہ ''طِلسمِ نارنج'' کی جگہ نہیں بنتی لیکن ''داستانِ امیر حمزہ'' (نول کشوری) کی جلدوں کی بحث میں ضمنی طور پر قمر کے اس طِلسم کا تفصیلی ذکر آ گیا ہے۔اُنھوں نے اس ذکر میں ایم حبیب خاں کے بیانات کو دلائل کے ساتھ نشانۂ تنقید بنایا ہے۔(۲۹) اُن کے مباحث کی تفصیل اگلے حصّے کے تحت آتی ہے۔

میرا ایک تحقیقی مضمون ''داستانِ امیر حمزہ کی نول کشوری روایت، چند وضاحتیں اور سوال''، ماہ نامہ ''شب خون''، الہ آباد کے ۲۸۵ ویں شمارے، بابت اکتوبر ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔(۳۰) یہ مضمون اصل میں شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے ماہ نامہ ''شب خون'' ہی میں شائع شدہ دو مضامین کے حوالے سے لکھا گیا تھا جو نول کشوری ''داستانِ امیر حمزہ'' کے دفاتر، جلدوں

اور داستان گویوں کے حالات پر مشتمل تھے۔ بعد ازاں یہ مضامین فاروقی صاحب کی کتاب "ساحری، شاہی، صاحب قرانی: داستانِ امیر حمزہ کا مطالعہ" کی دوسری جلد میں قدرے ترمیم کے ساتھ شامل ہوئے۔

اپنے مضمون میں دیگر باتوں کے علاوہ میں نے اس سے متعلق بھی دلائل دیے تھے کہ "طِلسمِ نارنج" کو نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کے سلسلے میں شامل ہونا چاہیے اور اسے شامل کرنے سے اس سلسلے کی جلدیں ۴۷ بن جاتی ہیں۔ ایم حبیب خاں بھی اسی کے موید تھے کہ "طِلسمِ نارنج" بھی نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" میں شامل ہے۔ اُنھوں نے تو اپنے دعوے کے حق میں کوئی خاص دلیل نہیں دی لیکن میں نے اپنے مضمون میں اس سلسلے میں کچھ دلائل دے کر اپنے موقّف کی تائید کرنے کی کوشش کی تھی۔

میرے مضمون میں مذکورۂ بالا موضوع کے ساتھ ساتھ نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" سے متعلّق دلائل پر شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے اپنی مذکورۂ بالا کتاب کی دوسری جلد کے صفحات ۵۲ تا ۵۶ میں بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ اسی جلد میں صفحہ ۳۹ تا ۴۷ میں بھی اُنھوں نے "طِلسمِ نارنج" کے متعلّق مختلف اُمور کے سلسلے میں بحثیں کر کے نتائج اخذ کیے ہیں۔ ۲۰۰۴ء میں جب میں نے مذکورہ مضمون لکھا تو فاروقی صاحب کی مذکورہ کتاب کی پہلی جلد شائع ہوئی تھی۔ میرا مضمون شائع ہونے کے بعد اُن کی کتاب کی دوسری جلد بھی شائع ہوئی جس میں "طِلسمِ نارنج" کے سلسلے کے مباحث ہیں۔ انھیں پڑھنے، قمر کی دیگر داستانوں کے متعلّقہ حصّوں کے مطالعے اور "داستانِ امیر حمزہ" اور اس کے متعلّقات کے مزید مطالعے اور تجزیے کے بعد "طِلسمِ نارنج" کے سلسلے میں مجھے اپنے خیالات پر نظرِ ثانی کا موقع ملا اور خاصے غور وخوض اور مطالعے وتجزیے کے بعد "طِلسمِ نارنج" کے سلسلے میں اب میں جن نتائج پر پہنچا ہوں، انھیں یہاں تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔

میں نے اپنے مضمون میں اس مرکزی نکتے پر بحث کو مرکوز رکھا تھا کہ "طِلسمِ نارنج" کو بھی نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کے سلسلے میں شامل کیا جانا چاہیے اور اس کے لیے میں نے ذیل کے دلائل دیے تھے:

> ایک تو یہ کہ یہ طِلسم اُنھی احمد حسین قمر کی تصنیف ہے جو نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کے سلسلے میں "طِلسمِ ہوش رُبا" (جلد پنجم تا ہفتم)، "طِلسمِ فتنۂ نور افشاں" (تین جلدیں)، "بقیہ طِلسمِ ہوش رُبا" (دو جلدیں)، "طِلسمِ ہفت پیکر" (تین جلدیں)، "طِلسمِ نوخیز جمشیدی" (تین جلدیں)، "طِلسمِ خیال سکندری" (تین جلدیں)، "طِلسمِ زعفرانِ زار سلیمانی" (دو جلدیں) اور "ہومان نامہ" (ایک جلد) تحریر کر چکے تھے۔ دوسرے، یہ طِلسم طبع بھی مطبع منشی نول کشور ہی سے ہوا اور تیسرے یہ کہ اس کے واقعات کا تعلّق بھی "داستانِ امیر حمزہ" ہی سے ہے۔ ان تینوں دلائل کی روشنی میں "طِلسمِ نارنج" کا تعلّق نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" سے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اسے بھی

اس داستانی سلسلے میں شامل کر کے اس سلسلے کی کُل ۴۷ جلدیں تسلیم کی جائیں، نہ کہ ۴۶۔ میں نے اس بحث میں فاروقی صاحب کے بعض دلائل سے بھی اختلاف کیا تھا۔(۳۱)

اس کے جواب میں شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے اپنی کتاب کی جلد دوم میں مفصل بحث کر کے میرے دلائل کا ردّ کرنے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے اُنھوں نے درج ذیل دلائل دیے:

(ا) گیان چند نے اپنی کتاب "اُردو کی نثری داستانیں" میں "طِلسمِ نارنج" کا سرسری ذکر کیا ہے۔ اُن کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔(۳۲)

(ب) قمر یا اُن کے بیٹے اشتیاق حسین سہیل نے کہیں دعوا نہیں کیا کہ "طِلسمِ نارنج" نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کا حصہ ہے۔(۳۳)

(ج) ارباب مطبع نے بھی کہیں نہیں لکھا کہ "طِلسمِ نارنج" بھی نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کا حصّہ ہے۔ فاروقی صاحب نے اس نکتے پر خاصا زور دیا ہے اور تین مختلف مواقع پر یہ دلیل دی ہے۔(۳۴)

(د) اہلِ مطبع کو نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی جلدوں اور ان کی تعداد میں ردّ و بدل پسند نہیں۔(۳۵)

(ہ) قمر کا اپنے طِلسموں کے بارے میں یہ واضح نہ کرنا کہ یہ نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی کڑی ہیں، اس اَمر کا ثبوت ہے کہ قمر کو اس سلسلے میں یقین تھا کہ یہ جلدیں اس داستانی سلسلے ہی کا حصّہ ہیں۔ جہاں اُنھیں شک تھا، وہاں اُنھوں نے بڑے شدّ و مد کے ساتھ اپنی داستان کے نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" میں شامل ہونے کا دعوا کیا ہے۔(۳۶)

(و) "طِلسمِ نارنج" کا نام مطبع منشی نول کشور کی کسی فہرست میں "داستانِ امیر حمزہ" کی جلدوں کے ساتھ شامل نہیں۔(۳۷)

(ز) نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی جلدوں کی تعداد اور ناموں کا تعیّن اس پر منحصر ہے کہ اہلِ مطبع نے انھیں اپنی فہرست میں شامل کیا ہے یا نہیں۔(۳۸)

(ح) "داستانِ امیر حمزہ" کی اَور بھی روایتیں ہیں جو مطبع منشی نول کشور سے شائع ہوئیں لیکن چوں کہ یہ طویل نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کے سلسلے سے علاحدہ ہیں، اس لیے انھیں بھی اس میں شامل نہیں کیا جا سکتا اور اسی دلیل سے "طِلسمِ نارنج" بھی اس سلسلے کا حصّہ نہیں بن سکتی۔(۳۹)

(ط) نول کشوری "داستان امیر حمزہ" کی جلدوں کے تعیّن کے معاملے میں احمد حسین قمر، اشتیاق حسین سہیل، وغیرہ کے دعوے یا بیانات کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اہلِ مطبع کا فیصلہ ہی حتمی ہے۔(۴۰)

(ی) "طِلسمِ نارنج" کے قصّے کا "نوشیرواں نامہ" (جلد اوّل) سے ربط یا "طِلسمِ ہفت پیکر" (جلد اوّل) سے ماخوذ

ہونا اس کی نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کے سلسلے میں شمولیت کا جواز نہیں بن سکتا۔(۴۱)

(ک) قمر کے بیٹے اشتیاق حسین سہیل نے اپنی تقریظ میں "طِلِسمِ نارنج" کی قیمت کم رکھنے اور خریداروں کے اسے ہاتھوں ہاتھ خرید لینے کی بات کی ہے۔ نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی دیگر جلدوں کے سلسلے میں سہیل نے یہ بات نہیں کی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ "طِلِسمِ نارنج" کو نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کے سلسلے میں شامل نہیں کیا گیا۔(۴۲)

فاروقی صاحب چوں کہ "داستانِ امیر حمزہ" پر کام کر رہے تھے؛ دوسرے، اس موضوع پر اُن کا مطالعہ کسی بھی عالم یا قاری سے زیادہ تھا، اس لیے اُنھیں "داستانِ امیر حمزہ" سے اُنسیت کی حد تک دل چسپی تھی اور اس داستان سے متعلّق تمام مباحث اور دلائل اُن کو ازبر تھے (جسے انگریزی میں کہتے ہیں کہ finger tips پر تھے)، لہٰذا اُنھوں نے "طِلِسمِ نارنج" کے حوالے سے خاصے دلائل دے دیے۔ اُن کی جگہ میں یا کوئی اَور ہوتا تو محض ایک دو دلیلیں سے کر آگے بڑھ جاتا۔ اس سے فاروقی صاحب کی علمی لگن، خوش معاملگی اور اپنے موضوع سے بے پناہ لگاؤ واضح ہوتا ہے۔

جہاں تک فاروقی صاحب کے دلائل کا تعلّق ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی جلدوں کے نام اور اُن کی تعداد متعیّن کرنے میں اہلِ مطبع یا مولّف یا تقریظ نگار یا پھر فہرستیں حرفِ آخر نہیں سمجھی جا سکتیں۔ اس اَمر کا فیصلہ کرنا داستان شناسوں اور محقّقین کا کام ہے۔ یہ فیصلہ کرنا خود فاروقی صاحب کا کام ہے۔ میں نے مطبع منشی نول کشور کی بعض معاصر (۱۸۸۸ء تا ۱۹۱۰ء) فہرستوں میں "داستانِ امیر حمزہ" کی جلدوں کے اشتہار دیکھے ہیں۔ ان میں سے بعض فہرستوں میں اس سلسلے کی بعض جلدوں کا اندراج نہیں ہے۔ خاص کر منشی احمد حسین قمر کے تحریر کردہ طِلسموں میں سے بعض کو بعض فہرستوں میں جگہ نہیں دی گئی اور بعض فہرستوں میں ان سب کی تفصیل موجود ہے۔ علاوہ ازیں کہیں تو قمر کے طِلسموں کو "داستانِ امیر حمزہ" کی جلدوں کے سلسلے میں شامل کر کے درج کیا گیا ہے اور کہیں ان کا اندراج سلسلے سے ہٹ کر ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ مطبع منشی نول کشور کی فہرستوں میں کسی کتاب کی اشاعت کے زمانے سے متعلّق کوئی واضح شواہد نہیں ملتے۔ مطبع منشی نول کشور کی مطبوعات کی فہرستیں دو طرح کی ہوتی تھیں۔ زیادہ تر فہرستیں وہ ہیں کہ مطبعے کی بیش تر مطبوعہ کتابوں کے ساتھ سرِ ورق کے چار زائد صفحات (title pages) کے طور پر شامل کیے جاتے تھے۔ ان میں سے پہلے صفحے پر کتاب کا سرِ ورق اور بقیہ تین صفحوں میں اُسی فن کی دیگر کتب کی ایک مختصر فہرست شامل ہوتی تھی۔ یہ فہارس عام تھیں اور قارئین کا زیادہ تر انھی فہارس سے واسطہ پڑتا ہے۔ الگ سے فہرستِ مطبوعات ہر سال چھپتی ہوگی۔ مطبع منشی نول کشور کی کچھ سالوں کی ایسی فہارس مطبوعات ملتی بھی ہیں، لیکن ان سب سے "داستانِ امیر حمزہ" کے سلسلے کی جلدوں کے تعیّن اور تاریخِ اشاعت کے سلسلے میں کوئی مدد لینا زیادہ سودمند نہیں ہوسکتا۔

شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا زیادہ زور اسی پر ہے کہ اہلِ مطبع کی صواب دید کے مطابق نول کشوری "داستان

امیر حمزہ" کی جلدوں کی تعداد متعیّن کی جائے۔ میرا موقف اُن سے مختلف ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس معاملے میں اہلِ مطبع کوئی صائب رائے نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ میں نے اوپر تحریر کیا ہے کہ اربابِ مطبع منشی نول کشور نے "داستان امیر حمزہ" کی جلدوں کے اشتہار میں جلدوں کی تعداد کبھی متعیّن نہیں کی۔ اربابِ مطبع کے ہاں اس حوالے سے کچھ متعیّن تھا تو وہ "داستان امیر حمزہ" کے سات دفاتر کی تفصیل اور اُن کی جلدیں تھیں۔ اربابِ مطبع اُسی کو "داستان امیر حمزہ" کی روایت میں شامل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ احمد حسین قمر اور شیخ تصدق حسین کے تحریر کردہ ضخیم دفاتر کو اصل داستان کی توسیع یا ملحقات جانتے تھے۔ اسی لیے ان سب دفاتر کا ذکر "داستان امیر حمزہ" کے دفاتر کی تفصیل سے الگ کیا جاتا رہا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اربابِ مطبع کے نزدیک نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی منازلِ ارتقا اور کُل جلدوں کی تقسیم کبھی واضح نہیں رہی، لہٰذا اس معاملے میں اُن کی مرضی تسلیم نہیں کی جاسکتی اور نہ اُن کی صواب دید پر اس اَمر کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

اس کے مقابلے میں راز یزدانی ہوں یا گیان چند، یا پھر سب سے بڑھ کر شمس الرحمٰن فاروقی؛ نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" ایک روایت کے طور پر ان سب کے پیشِ نظر رہی ہے۔ انھوں نے اس داستان کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی وتنقیدی کام کیے ہیں۔ اس لیے ان سمیت "داستانِ امیر حمزہ" پر تحقیقی کام کرنے والے اس داستان کی روایت کے تسلسل، واقعات، جلدوں، مصنّفین ومولّفین اور مجموعی تصنیفی صورتِ حال کا بخوبی واقف ہیں، بل کہ اس معاملے میں بعض کو شرحِ صدر حاصل ہے۔ ایسا کوئی اندازہ یا شرحِ صدر اہلِ مطبع کو کبھی نہیں رہا۔ فاروقی صاحب نے تو اپنی عمرِ عزیز کے تیس سے چالیس سال اس داستان اور اس کی روایت کو پڑھنے، پرکھنے اور اس کے نہاں خانوں میں اُترنے میں صرف کیے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی موجود جلدیں (داستان کے اصل دفاتر کو چھوڑ کر) کبھی بھی کسی منظّم ضابطے یا منصوبے کے تحت نہیں لکھی گئیں، جیسے آج ہم اُن کا منصوبہ بند سلسلے کے طور پر مطالعہ وتجزیہ کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے غور و خوض اور مختلف تجزیات کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی روایت، جلدوں، منصوبہ بند کام، قدر و قیمت، اصل فن کاری اور تاریخی ترتیب کا شعور اہلِ مطبع کو اس قدر نہیں تھا جس قدر ہمارے داستان شناسوں کو ہے۔ اسی بنیاد پر میرا احساس ہے اور موقف ہے کہ نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی جلدوں کی تعداد، تاریخی ترتیب، وغیرہ کے تعین میں داستان شناسوں کا فیصلہ زیادہ اہمیّت کا حامل ہے۔

نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" سے اہلِ مطبع کا تعلّق ایک علاحدہ تحقیقی وتجزیاتی مقالے کا متقاضی ہے، اس لیے یہاں صرف اتنی بات مزید کر کے آگے بڑھتا ہوں کہ مطبع منشی نول کشور تو ایک تجارتی ادارہ تھا۔ اُن کی دل چسپی زیادہ سے زیادہ اس میں تھی کہ کون سی کتاب زیادہ فروخت ہوتی ہے، کون سی کتاب کی اشاعت اُن کے کاروبار کے لیے سودمند ہوگی اور کون سا سلسلہ کب تک جاری رکھنا فائدے مندر ہے گا۔ کسی سلسلے کی ادبی قدر و قیمت کے اعتبار سے اس کی اہمیت کا پورے طور پر اندازہ کرنا نہ اہلِ مطبع کا کام تھا اور نہ منصب۔ اس سلسلے میں کئی شواہد پیش کیے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر صرف ایک

ثبوت پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی تحریر و اشاعت کا آغاز منشی محمد حسین جاہ نے "طلسمِ ہوش رُبا" کی جلد اوّل لکھ کر کیا۔ نول کشوری "داستان امیر حمزہ" کے ماہرین کی اکثریّت اس پر متّفق ہے کہ جاہ کی لکھی ہوئی "طلسمِ ہوش رُبا" کی پہلی چار جلدیں اس سلسلۂ داستان کی تمام جلدوں میں زبان و بیان، اُسلوب اور دل چسپی کے اعتبا سے اہم ترین ہیں۔ اس کا اندازہ منشی نول کشور کو بھی تھا لیکن جب جاہ کے لکھنے کی رفتار سُست ہونے لگی تو منشی نول کشور جیسے علم پرور کو بھی اس میں کاروباری نقصان کا اندیشہ ہوا، اس لیے اُنھوں نے جاہ کو اس ذمّے داری سے سبک دوش کر کے منشی احمد حسین قمر کو یہ ذمّے داری سونپ دی، چناں چہ قمر نے "طلسمِ ہوش رُبا" کی آخری ضخیم چار جلدیں (جلد ۵ تا ۷) چار سال کے عرصے میں مکمل کر دیں، جب کہ جاہ نے پہلی چار جلدوں کی تالیف میں اندازاً ۵ تا ۷ سال لگائے تھے۔ اس موضوع پر میرا ایک مقالہ شائع ہو چکا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے اُس سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ (۴۳)

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ مطبع منشی نول کشور کی یادگار ادبی روایت کا سہرا عام طور پر منشی نول کشور کے سر بندھتا ہے۔ ۱۸۹۵ء میں اُن کی وفات کے بعد مطبع منشی نول کشور آہستہ آہستہ ایک کاروباری ادارے کی صورت اختیار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ایسے میں یہ توقّع کیسے کی جا سکتی ہے کہ مطبع نول کشور "داستانِ امیر حمزہ" کو ایک ادبی روایت سمجھ کر اس کی پیروی کرتا ہوگا۔ اس اَمر کا سب سے بڑا ثبوت "داستانِ امیر حمزہ" کی اُن غیر مطبوعہ جلدوں کے وہ ضخیم مسودات ہیں جو عرصے تک مطبع منشی نول کشور کے گودام میں پڑے سڑتے رہے اور آخر کار ضائع ہو گئے لیکن مطبعے نے اُنھیں شائع نہیں کیا۔ (۴۴)

اب آیئے دوبارہ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کی طرف۔ اُن کے مندرجۂ بالا بیانات ایک ہی سلسلے کو ظاہر کرتے ہیں: ب، ج، د، ہ، و ز، ط، ی، ک۔ ان سب بیانات میں فاروقی صاحب نے اہلِ مطبع، داستان نگاروں اور سہیل (تقریظ نگار) کے بیانات کے حوالے دے کر اہلِ مطبع کے نقطۂ نظر کو اہم گردانا ہے۔ اس پر وضاحتی مباحث اوپر گزر چکے ہیں۔

اپنے بیان (ا) میں وہ "طلسمِ نارنج" کے سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند کے بیان کو اپنے حق میں دلیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ عرض یہ ہے کہ "طلسمِ نارنج" سے متعلق ڈاکٹر گیان چند کا بیان پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے "طلسمِ نارنج" ملاحظہ ہی نہیں کی۔ ایم حبیب خاں نے اپنے مضمون میں واضح کیا ہے کہ ڈاکٹر گیان چند نے "اُردو کی نثری داستانیں" میں "طلسمِ نارنج" کا ذکر نہیں کیا۔ اُن کے مضمون لکھتے وقت ڈاکٹر گیان چند کی کتاب کی دوسری اشاعت (کراچی، ۱۹۶۹ء) منظرِ عام پر آئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے مقالے (تکمیل قریب ۱۹۴۵ء)، کتاب کی پہلی اشاعت (کراچی، ۱۹۵۴ء) اور دوسری اشاعت میں بھی اُنھوں نے "طلسمِ نارنج" کا ذکر نہیں کیا۔ ایم حبیب خاں نے "طلسمِ نارنج" پر مضمون لکھا تو اُنھیں اس کے بارے میں علم ہوا اور اُنھوں نے قمر کے ذکر میں "طلسمِ نارنج" کے بارے میں بھی ایک سطر لکھ دی۔ گویا زیادہ امکان اس کا ہے کہ ڈاکٹر گیان چند نے اپنی کتاب "اُردو کی نثری داستانیں" کی اشاعتِ سوم (لکھنؤ،

۱۹۸۷ء) میں ایم حبیب خاں کے مضمون سے استفادہ کرتے ہوئے ہی "طِلسمِ نارنج" کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے یہ سوال اُٹھایا جائے کہ ڈاکٹر گیان چند، "طِلسمِ نارنج" کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے تھے کہ اُس کا ذکر اپنی کتاب میں کریں، تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ جب اُنھوں نے اپنے مقالے اور کتاب کی پہلی اور دوسری اشاعت میں "طِلسمِ نارنج" کا ذکر نہیں کیا تو کتاب کی تیسری اشاعت میں اُنھیں اس سے متعلق ایک سطر لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

اپنے بیان (ح) میں شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ "داستانِ امیر حمزہ" سے متعلّق اور بھی روایتیں چھپتی رہی ہیں لیکن انھیں نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ نول کشوری "داستان امیر حمزہ" کی جلدوں کے تعیّن میں یہی دوسرا مرکزی نقطہ ہے۔ پہلا مرکزی نقطہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ اس نول کشوری روایت کا انحصار مطبع منشی نول کشور سے شائع ہونے والی اُن جلدوں سے ہے جن کا آپس میں ربط اور تسلسل قائم ہے۔ اس تناظر میں گیان چند اور فاروقی صاحب کی طے کردہ چھیالیس جلدوں کی روایت ہی درست ٹھہرتی ہے۔

اب آیئے آخری اَمر، یعنی "طِلسمِ نارنج" کے نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کا حصّہ ہونے یا نہ ہونے کے قضیے کی طرف۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ ایم حبیب خاں اَور میں بھی اس کے موید تھے کہ "طِلسمِ نارنج" کو اس نول کشوری روایت کا حصّہ گردانا چاہیے، کیوں کہ اس کے مصنّف بھی احمد حسین قمر ہیں جن کی تحریر کردہ تمام طِلسم نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کا حصّہ ہیں، لیکن بعد میں مزید غور وخوض اور فاروقی صاحب کے دلائل پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ فاروقی صاحب کا یہ موقّف درست ہے کہ "طِلسمِ نارنج" کو نول کشوری "داستان امیر حمزہ" کے سلسلے میں شامل نہ کیا جائے۔ فاروقی صاحب اس کے لیے جو دلائل رکھتے ہیں، وہ اُوپر درج کر دیے گئے ہیں لیکن اس سلسلے میں جن دلائل کے باعث میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں، وہ یہ ہیں :

(ا) "طِلسمِ نارنج" کا ناشر مطبع منشی نول کشور نہیں ہے، بل کہ یہ لکھنؤ کے ایک ناشرِ کتب بابو جے نرائن ورما کی فرمائش پر لکھی گئی اور اُنھوں ہی نے اسے چھاپا، البتّہ اس کی طباعت یقیناً مطبع منشی نول کشور میں ہوئی۔ سرورق کے اس اندراج کے علاوہ مختصر وجہِ تالیف "طِلسمِ نارنج" میں بھی اسی طرح کا بیان ہے۔ قمر لکھتے ہیں:

> "اوّل، قدر شناس، اہلِ سخن، رئیسِ جلیل، فہیم وعقیل، حسین وجمیل، غریبوں کے کفیل بابو جے نرائن صاحب ورما مہتمم اخبار نے اس حقیر کو طلب فرمایا اور منظور ہوا کہ "الف لیلہ" تحریر ہو، پھر تجویز ہوا کہ "طِلسمِ نارنج" تحریر کیا جاوے۔ حقیر نے قلم اُٹھایا، مصروف تحریر ہوا۔"(۴۵)

سرورق کے اندراج اور قمر کے اپنے بیان سے بخوبی واضح ہو گیا کہ "طِلسمِ نارنج" کی فرمائش مطبع منشی نول کشور سے نہیں ہوئی، بل کہ لکھنؤ ہی کے ایک مہتمم اخبار اور کتب فروش/ ناشر بابو جے نرائن ورما نے یہ طِلسم، قمر سے لکھوایا اور وہی اس

کے ناشر تھے۔ اسی باعث کتاب کے اندرونِ سرورق پر بھی مطبع منشی نول کشور کی فہرست مطبوعات کے بجاے دفتر رسالہ" ناول"، امین آباد، لکھنؤ کی کتابوں کی فہرست درج ہے، لہٰذا جب "طِلسمِ نارنج" کی اشاعت ہی مطبع منشی نول کشور سے نہیں ہوئی تو یہ اسی اصول کے تحت نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کی روایت سے خارج ہو گیا جیسے مطبوعہ غیر ہونے کے باعث محمد حسین جاہ کی "طِلسمِ ہوش رُبا"، جلد پنجم، حصہّ اوّل بھی نول کشوری سلسلے کا حصہّ نہیں بن سکی۔ اس صاف، واضح اور بنیادی دلیل کے بعد "طِلسمِ نارنج" کے نول کشوری "داستان امیر حمزہ" کا حصہّ نہ ہونے کے سلسلے کی باقی دلیلوں کی ضرورت نہیں رہتی۔

جیسا کہ مضمون کے شروع میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ قمر نے یہ طِلسم محض آمدن کے لیے لکّھا تھا اور اس کا لکھنا اُن کے لیے نہایت آسان تھا۔ ایک تو وہ ان تفصیلات کو اپنے تحریر کردہ "طِلسمِ ہفت پیکر"، جلد اوّل میں پہلے سے بیان کر چکے تھے، پھر شیخ تصدق حسین کے "نوشیرواں نامہ"، جلد اوّل میں بھی اس سلسلے کے واقعات موجود تھے، چناں چہ نقل اور اخذ و استفادے کے ذریعے "طِلسمِ نارنج" کو بغیر کسی خاص جد و جہد اور محنت سے لکھنا قمر کے لیے بالکل ممکن تھا، جب کہ اس کے مقابلے میں "الف لیلہ" لکھنے کے لیے قمر کو خاصی محنت کرنی پڑتی اور سارے قصّے دوبارہ لکھنے پڑتے، چناں چہ اُنھوں نے "الف لیلہ" کے نسبتاً مشکل تجربے کو چھوڑ کر "طِلسمِ نارنج" کے نہایت آسان تجربے کو قبول کر لیا۔ اس تناظر میں اس کا پورا امکان موجود ہے کہ "الف لیلہ" کے بجاے "طِلسمِ نارنج" لکھنے کا فیصلہ خود قمر کا ہو اور اُنھوں ہی نے اصرار کر کے بابو جے نرائن در ما (ناشر) کو اس پر آمادہ کیا ہو کہ "الف لیلہ" کے بجاے "طِلسمِ نارنج" تحریر کیا جائے۔

یہ طے ہونے کے بعد کہ "طِلسمِ نارنج" نول کشوری "داستانِ امیر حمزہ" کا حصہّ نہیں ہے، نول کشوری "داستان امیر حمزہ" کی جلدوں کی تعداد ۴۶ ہی رہتی ہے۔ اس سلسلے میں شمس الرحمٰن فاروقی اور ڈاکٹر گیان چند، وغیرہ کی قائم کی ہوئی ترتیبیں اور تفصیلات ہی اب تک مستند ہیں۔ "طِلسمِ نارنج" کو نول کشوری "داستان امیر حمزہ" کا حصہّ ثابت کرنے کے سلسلے میں اپنے گذشتہ نقطۂ نظر کو میں نے ترک کر دیا ہے، چناں چہ اس سلسلے میں میرے پہلے مضمون "داستانِ امیر حمزہ" کی نول کشوری روایت: چند وضاحتیں، چند سوال" میں ایسے تمام دلائل اور مباحث کو کالعدم سمجھنا چاہیے۔ اس جہت میں میرا نقطۂ نظر موجودہ مضمون کے مباحث کو سمجھا جانا چاہیے۔

حواشی وتعلیقات

۱- شمس الرحمٰن فاروقی، ساحری، شاہی، صاحب قرانی ؛ داستان امیر حمزہ کا مطالعہ، جلد دوم: عملی مباحث (نئی دہلی: قومی کونسل براۓ فروغ اُردو زبان؛ ۲۰۰۶ء)، ص ۱۲۰، نیز ص ۱۲۸ تا ۱۳۲، پہلا ایڈیشن

۲- ایضاً، جلد دوم، ص ۵۷ ("تورج نامہ"، دو جلدیں)۔

۳۔ ایضاً، جِلد دوم، ص ۱۷۵، ۱۷۴

۴- ایضاً، جِلد دوم، ص ۴۳۔

۵- طِلسمِ نارنج مطبوعہ ۱۹۰۱ء کے اندرانی سرِ ورق اور عقبی ورق کے دونوں صفحات پر جن ناولوں اور دیگر کتابوں کا اشتہار شائع ہوا ہے، اُن کی فہرست یہاں افادۂ عام کی غرض سے درج کی جاتی ہے:

اندرونی سرِ ورق پر مندرج ناول اور دیگر کتابیں:

ناول: "پروگ"، "مظفر و راما بائی"، "افشائے راز" (انگریزی ناول کا ترجمہ)، "مشتاق اور زہرہ" (واجد علی شاہ کے زمانے کے دل چسپ حالات پر مبنی)، "شادی وغم" (اکبر کے دور کا تاریخی ناول)، "مقدس نازنین" (یا پوپ ایگنس - از شرؔر)، "لال کپتان" (تاریخی ناول)، "طوفانِ بدتمیزی" (ظریف ناول)، "سلطانِ نازک ادا"۔

دیگر کتب: "مخزن الفردات" (معروف بہ جامع الادویہ)، "مرقّعِ زیبا" (دیوان نواب بندہ علی خان زیبؔا)، "ڈاکٹر کی بیٹی" (سر والٹر سکاٹ کے تاریخ تاول متعلق ٹیپو سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ترجمہ)، "دھوکا یا طلسمی فانوس" (رینالڈز کے ناول کا ترجمہ، مترجمۂ ایڈیٹر "اَوَدھ پنچ" منشی سجاد حسین)۔

عقبی ورق کے دو صفحات پر مندرج ناول اور دیگر کتابیں:

"ذات شریف"؛ "ارمان" ('دلّی کی شہری اور دل لبھانے والی زبان میں' مصنّف آغا شاعر دہلوی)؛ "گلزارِ فرنگ" (منظوم ترجمانی 'رومیو جولیٹ'، "گلزارنسیم" کی بحر مع مسدّسِ فریادِ عشق و شبِ وصال')؛ "گُلدستۂ کشمیر" ('یعنی تواریخ و جغرافیہ ریاست کشمیر و جموں')؛ "نئی نویلی" ('ظریفانہ اور نصیحت آگیں' ناول)؛ "مرنالنی" ('بابو بنکم چٹر جی کی اسی نام کی ناول کا اُردو ترجمہ، مترجمۂ بابو جوالا پرشاد صاحب سب جج لکھنؤ')؛ "مریض عشق"؛ "فیروز گلنار" ('رومیو جولیٹ' کا ترجمہ، مترجمۂ بابو جوالا پرشاد صاحب مترجم "مرنالنی" و "روہنی" وغیرہ')؛ "خاور نامہ" ('داستان، "بوستانِ خیال" کے رنگ پر حضرت کرم اللہ وجہ کی سیر، سعد بن وقاص اور مالک اژدر کے کارنامے اور طِلسم کشائیوں کا بیان')؛

مسٹر رینالڈ کے ناولوں کے ترجمے: "حرم سرا" ('لوز آف دی حرم' کا ترجمہ، مترجمۂ حضرت ریاض')؛ "نظارہ") 'ایلن برسی کے حصّۂ اوّل کا ترجمہ')؛ "فسانۂ سوزنِ عشق" ('سمیسٹرس کا ترجمہ')؛ "خوبیِ قسمت" ('منی مڈلٹن کا ترجمہ')؛ "روز المبرٹ" ('دو حصّوں میں')؛ "فریبِ حسن" ('فاسٹ کا ترجمہ')؛ "راز و نیاز" ('کینن بری باؤس کا ترجمہ، ہر دو حصّہ')؛ "الہ دین ولیلی" ('اسٹار آف مانگریلیا کا ترجمہ')؛ "جنت الفردوس" ('اوپر کی ناول کا خلاصہ')؛ "لارنس ورتھ" ('رائی ہاؤس پلاٹ کا ترجمہ')؛ "نیرنگ" ('فشر مین کا ترجمہ')؛ "اسرار" ('نکر وسنیسر کا ترجمہ۔ دو حصّوں میں')؛ "ویگزونسیڈا" ('اسی نام کے ناول کا ترجمہ')؛ "لعبتِ فرنگ" ('برانز اسٹیچو کا ترجمہ')۔

ناول اور دیگر کتابیں: "مثنوی امید وبیم" (مرزا محمد ہادی رسوا)؛ "اختر وحسینہ" (ناول، دو حصے)؛ "دل کش"، حصّۂ اوّل دوم (از مولانا عبدالحلیم شرر)؛ "ول کش"، حصّۂ سوم ('ملک کے بے انتہا اسرار سے ختم کیا گیا ہے')؛ "کامنی" (پنڈت رتن ناتھ سرشار)؛ "مجموعہ یوسف، بیر بکرم، پچھمی" ('نہایت دلچسپ قصّے')؛ "امراؤ جان ادا" (از مرزا محمد ہادی رسوا)؛ "شبابِ لکھنؤ" ('نصیر الدین حیدر نواب اَوَدھ کے تفصیلی حالاتِ دربار۔ مقدمۃ الکتاب میں اَوَدھ کی تاریخ پر اجمالی نظر کی گئی ہے')؛ "اورنگ زیب اور چنچل کماری"؛ "میٹھی چھری" ('منشی سجاد حسین صاحب مترجم "طلسمی فانوس" کا نیا ناول')؛ "جہانگیر" ('شیکسپیر کے ڈراما "ہیملٹ" کا ترجمہ')؛ "تمھیں پر پہلے مرتے تھے تمھیں پر اب بھی مرتے ہیں" ('"مائی فرسٹ اینڈ لاسٹ لَو" کا اُردو ترجمہ- انگریزی کورٹ شپ، تیس سال اُس جانب کی انگریزی۔ بغاوت، دہلی کا تمام حال، غدر کے متعلق عشقیہ ناولوں میں سب سے بڑھ کر ہے')۔

’نئی کتابیں‘: ’’سیرِ ظلمات با تصویر‘‘ (’یعنی وسطِ افریقا کے ہول ناک اور ہوشر با مناظراور وہان کے باشندوں کی اوہام پرستی اور رسومات و عادات کے حیرت انگیز حالات۔ رائڈر ہیگرڈ کے بےنظیر ناول ’’پیل آف دی مسٹ‘‘ کا فصیح اور با محاورہ ترجمہ، ۳۱۶ صفحات)؛ ’’جنگِ ٹرانسوال‘‘ (’تصنیف جے ڈی بی گریہل صاحب (سی۔ ایس) و عالی جناب شمس العلما مولوسی سید علی صاحب بلگرامی بی اے، یل یل بی، اف جی اس وغیرہ وغیرہ، مع یک نقشہ، ص ۱۳۶‘)؛ ’’دربارِ اَوَدھ‘‘ (’شاہ نصیرالدین بادشاہِ لکھنؤ کے رنگیلے دربار اور اُن کے آشوب ناک زمانہ کے دل رُبا اور دل کش واقعات کا نقشہ، جلد اول ص ۳۳۸‘)؛ ’ایضاً، جِلد دوم، (ص ۴۳۲)؛ ’’زیب النسا‘‘ (’حجم ۲۵۰ صفحہ)؛ ’’تاریخ بابل ونینوا‘‘ (’حجم ص ۱۹۶‘)

۶،۷- ایم حبیب خان، طِلسمِ نارنج (مضمون)، مشمولہ اُردو کی قدیم داستانیں (علی گڑھ: ناشر مصنّف، ۱۹۷۶ء)، ص ۴۳

۸- شمس الرحمٰن فاروقی، ساحری، شاہی، صاحب قرانی، جِلد دوم، ص ۴۲، ۴۳۔

۹- ڈاکٹر سہیل بخاری، اُردو داستان (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، مارچ ۱۹۸۷ء)، طبع اوّل

۱۰- سیّد وقار عظیم، ہماری داستانیں، (لاہور: اُردو مرکز، ۱۹۶۴ء)

۱۱- آرزو چودھری، داستان کی داستان، (لاہور: عظیم اکیڈمی، بار اول، ۱۹۸۸ء)

۱۲- ڈاکٹر گیان چند، اُردو کی نثری داستانیں، (لکھنؤ: اُتّر پردیش اُردو اکادمی، ۱۹۸۷ء)، ص ۳۲۷

۱۳- ایم حبیب خان، طِلسمِ نارنج، ص ۲۱، ۲۰

۱۴- ایضاً، ص ۲۳

۱۵- ایضاً، ص ۲۰، ۲۱

۱۶، ۱۷- ایضاً، ص ۲۱

۱۸، ۱۹، ۲۰- ایضاً، ص ۲۳

۲۱- ایضاً، ص ۲۴

۲۲- ایضاً، ص ۲۵

۲۳- ایضاً، ص ۲۶

۲۴- ایضاً، ص ۲۸

۲۵- ایضاً، ص ۲۹

۲۶- ایضاً، ص ۳۰

۲۷- ایضاً، ص ۳۴

۲۸- احمد حسین قمر، طِلسمِ نارنج، ص ۲۰۷، ۲۰۸

۲۹- شمس الرحمٰن فاروقی، ساحری، شاہی، صاحب قرانی، جِلد دوم، ص ۴۱، ۴۰

۳۰- ایضاً، ص ۴۷ تا ۵۷

۳۱- رفاقت علی شاہد، داستان امیر حمزہ کی نول کشوری روایت: چند وضاحتیں، چند سوال‘‘، مشمولہ ماہ نامہ شب خون، الٰہ آباد، شمارہ ۲۸۵، اکتوبر ۲۰۰۴ء، ص ۵۱ تا ۵۴

۳۲- شمس الرحمٰن فاروقی، ساحری، شاہی، صاحب قرانی، جِلد دوم، ص ۴۰، ۳۹

۳۳- ایضاً، ص ۴۳

۳۴- ایضاً،ص ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶
۳۵- ایضاً،ص ۴۴، ۴۵
۳۶- ایضاً،ص ۵۶
۳۷- ایضاً،ص ۴۵
۳۸- ایضاً،ص ۴۶- نیز جلد چہارم،ص ۱۱۴
۳۹- ایضاً،ص ۴۶، ۴۵
۴۰- ایضاً،ص ۵۵
۴۱- ایضاً،ص ۴۲
۴۲- ایضاً،ص ۴۴
۴۳- ایم حبیب خان، طِلسمِ نارنج،ص ۱۹
۴۴- احمد حسین قمر، طِلسمِ نارنج، سرورق
۴۵- ایضاً،ص ۵

مآخذ:

۱- بخاری، سہیل، ڈاکٹر، اُردو داستان (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، مارچ ۱۹۸۷ء، طبع اوّل
۲- چند، گیان، ڈاکٹر، اُردو کی نثری داستانیں، لکھنؤ: اُتّر پردیش اُردو اکادمی، ۱۹۸۷ء
۳- چودھری، آرزو، داستان کی داستان، لاہور: عظیم اکیڈمی، بار اول، ۱۹۸۸ء
۴- خان، ایم حبیب، طِلسمِ نارنج (مضمون)، مشمولہ اُردو کی قدیم داستانیں، علی گڑھ، ناشر مصنّف، ۱۹۷۶ء
۵- عظیم، سیّد وقار، ہماری داستانیں، لاہور: اُردو مرکز، ۱۹۶۴ء
۶- فاروقی، شمس الرحمٰن، ساحری، شاہی، صاحب قرانی؛ داستان امیر حمزہ کا مطالعہ، جلد دوم، عملی مباحث، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۲۰۰۶ء
۷- قمر، احمد حسین، طِلسمِ نارنج، لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، ۱۹۰۱ء

رسائل

۱- ماہ نامہ شب خون، الٰہ آباد، شمارہ ۲۸۵، اکتوبر ۲۰۰۴ء

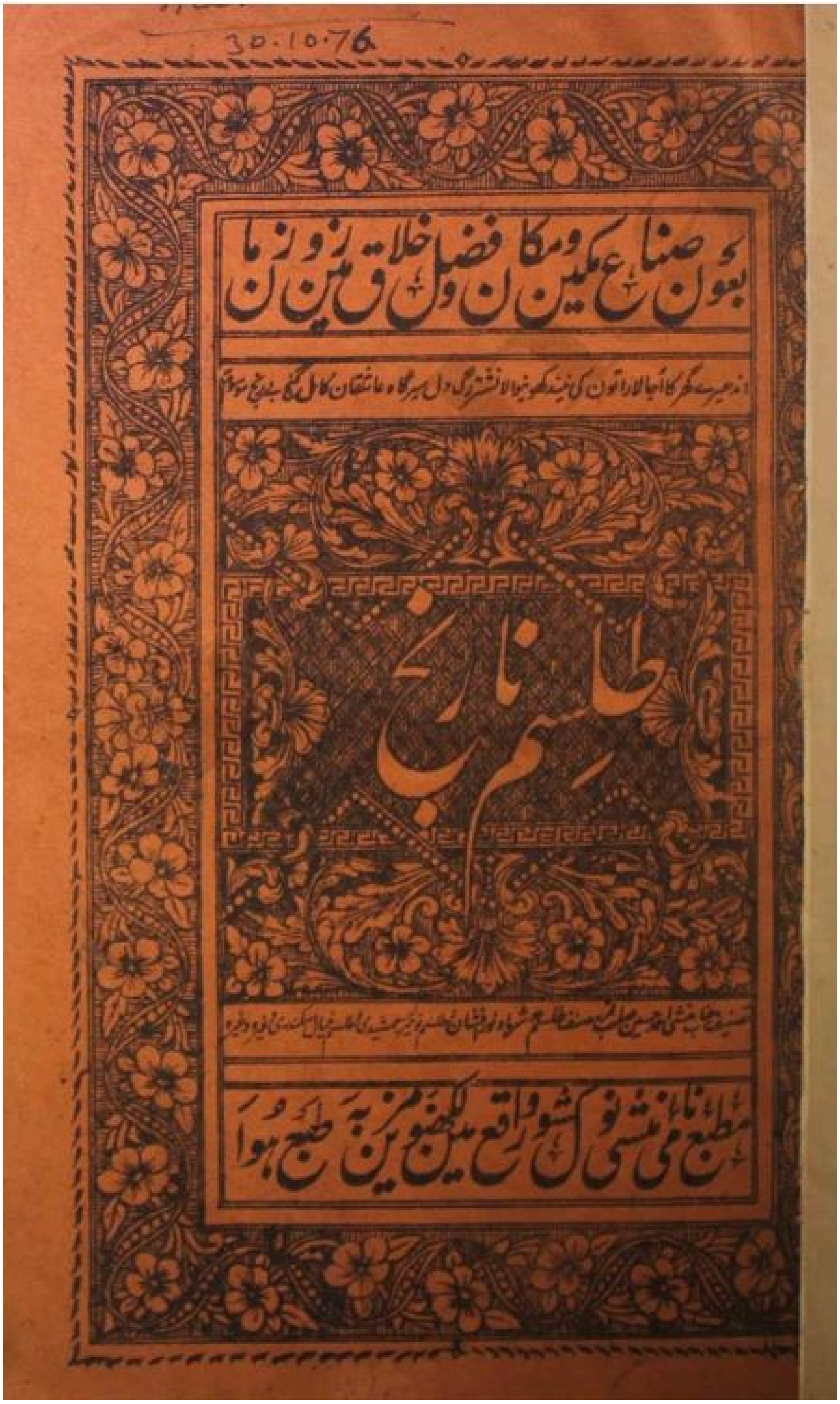
بعون صناع علیم و مکان فضل و خلاق زمین و زمان

طلسم نارنج

مطبع نامی منشی نول کشور واقع لکھنؤ میں طبع ہوا

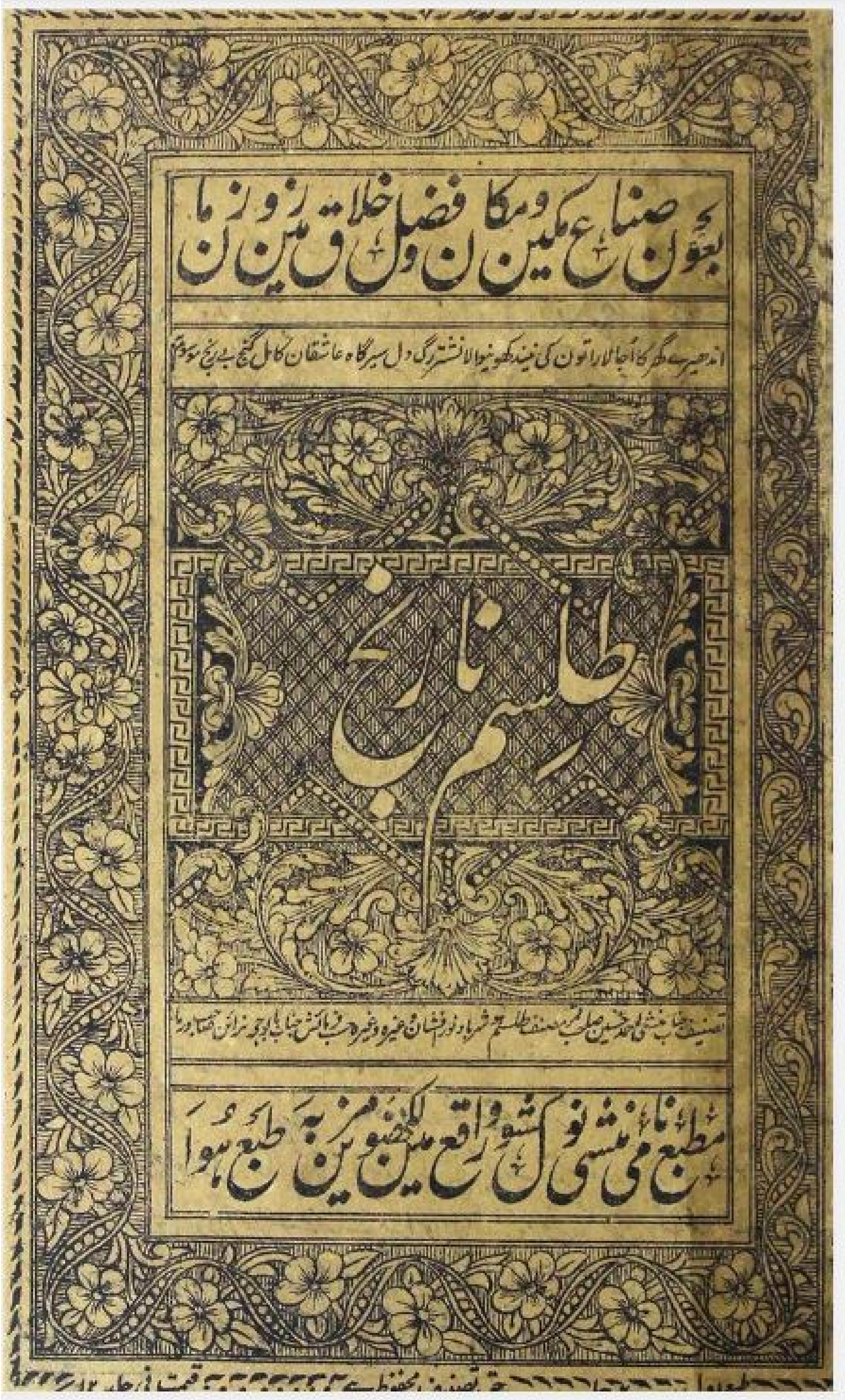
بعون صناع مکین و مکان فضل و خلاق زمین و زمان
اندھیرے گھر کا اجالا راتوں کی نیند کھونے والا نشتر رگ دل سیرگاہ عاشقان کامل گنج بے رنج سوم
طلسم نارنج
تصنیف جناب منشی احمد حسین صاحب مصنف طلسم فرہاد، نور افشاں وغیرہ وغیرہ حسب فرمائش جناب بابو پراگ نرائن صاحب بھارگو
مطبع نامی منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں بہ طبع ہوا